علامہ حمید الدین فراہیؒ

دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائمیر
اعظم گڑھ، یوپی

مطبوعہ تصانیف امام فراہیؒ

اُردو:

- تفسیر نظام القرآن (مجموعہ تفاسیر فراہی)
- اقسام القرآن
- ذبیح کون ہے؟
- آنحضرتؐ کا سلسلۂ نسب اور اہل کتاب
- اسباق النحو (اول و دوم)
- تحفۃ الاعراب (منظوم)

فارسی:

- نوائے پہلوی (فارسی دیوان)
- خرد نامہ (منظوم)

عربی:

- الامعان فی اقسام القرآن
- الرای الصحیح فی من ھو الذبیح
- جمھرۃ البلاغۃ
- رسائل الامام الفراھی فی علوم القرآن (وھی تشتمل علی ثلاث رسائل: دلائل النظام، اسالیب القرآن، التکمیل فی اصول التاویل).
- فی ملکوت اللہ
- القائد الی عیون العقائد
- تفسیر نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان (زیر طبع)
- مفردات القرآن۔ دراسۃ وتحقیق، الدکتور محمد اجمل اصلاحی (زیر طبع)
- دیوان المعلم عبد الحمید الفراھی
- امثال آصف الحکیم

دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

رسالہ

آخرت

افادات

علامہ حمید الدین فراہیؒ

دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ
الہند

نام کتاب : رسالہ آخرت
سن اشاعت : ۱۹۹۴ء
تعداد : ایک ہزار ایک سو
کتابت : جلال الدین احمد
مطبع :
قیمت : آٹھ روپے

تقسیم کنندگان

۱- دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر۔ اعظم گڑھ (یو۔پی)
۲- ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر۔ علی گڑھ
۳- البلاغ بک سنٹر، ۲/۶۵-۱ ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

[اس رسالہ میں آخرت سے متعلق مولانا کی یادداشتوں اور تحریروں کو ان کی مختلف تصنیفات سے اخذ کرکے پیش کیا گیا ہے۔]

گذشتہ صحیفوں میں دنیوی عذاب سے زیادہ ڈرایا گیا ہے لیکن قرآن مجید نے زیادہ تر عذاب آخرت کی دھمکی دی ہے۔ چونکہ آخرت کے ذکر کی سخت ضرورت تھی اس لیے صرف اس کی خبر دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ عذاب و ثواب کی ایسی تصویر پیش کی گئی کہ لوگوں کے دلوں پر ان کا نقش کچھ اس طرح بیٹھ جائے کہ گویا وہ انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور یہی کمال ابلاغ ہے۔

سابقہ مذہبی کتابوں میں آخرت کی پوری تصویر نہیں ملتی بلکہ دنیوی جزا و سزا ہی کا ان میں ذکر ہے۔ چنانچہ یہود نے اس کا انکار کر دیا جیسا کہ انجیل میں مذکور ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ تناسخ کا قائل ہوگیا۔ انھوں نے اس دنیا میں نعمت اور عذاب کی جو شکلیں دیکھیں ان سے اوپر ان کی نگاہ نہ جا سکی۔ چنانچہ جزا کا تصور ان کے ذہنوں میں اتنا کمزور ہوگیا کہ اس کی اہمیت سے وہ غافل اور بے پرواہ ہوگئے۔

اصل یہ ہے کہ آخرت پر ایمان بالکل فطری چیز ہے۔ اس وجہ سے کہ عدل انسان

کی فطرت میں داخل ہے اور اس وجہ سے بھی کہ زمانہ کے انقلابات کا وہ آئے دن اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انبیاء کرامؑ کی طرف سے تنبیہ اور یاددہانی اسی امر کی ہوتی ہے جس کی فطرت انسانی یا عقل سلیم تصدیق کرتی ہو اور جس پر واقعات شاہد ہوں۔

دین میں عقیدۂ آخرت کا مقام
اور
توحید و رسالت سے اس کا تعلق

آخرت پر ایمان کا مطلب اللہ تعالیٰ کی صفات عدل و حکمت، رحمت و ربوبیت اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لانا ہے۔ یہ شریعت و طاعت اور عمل خیر پر قیام کی بنیاد ہے۔ نیز رسالت و نبوت کی اصل بھی یہی ہے، کیوں کہ رسول کو رسول کہا اسی لیے گیا کہ وہ اس کا پیغام لے کر آئے اور نبی کا نام نبی اسی وجہ سے پڑا کہ انھوں نے اس نبأ عظیم کی خبر دی۔ چنانچہ آخرت کا منکر ہرگز خدا اور اس کی صفات پر ایمان لانے والا نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ اس کے رسولوں پر اس کا ایمان ہو۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی کے سوا نہ اس کا کوئی دین ہو سکتا ہے اور نہ شریعت، اور نہ ہی نیکی اور تقویٰ کے کوئی معنی اس کے نزدیک ہو سکتے ہیں، اسی لیے ہدایت، نیکی اور بھلائی کے کاموں کی طرف رغبت بھی اس کے اندر نہیں ہو سکتی۔

ایمان بالآخرۃ ہی نبوت کا نقطۂ آغاز ہے کیوں کہ پیغمبر مبشّر اور نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں جو عبارت ہے آخرت کی خبر دینے سے۔ قرآن مجید میں بار بار اس امر کی صراحت کی گئی ہے۔ چنانچہ آغاز وحی میں فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ۔ (سورہ مدثر ۱-۲)

اے چادر لپیٹے رکھنے والے! اٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔

نیز فرمایا:

اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی ۔ (سورہ علق ۸)

بے شک تیرے خداوند ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

چونکہ آخرت پر ایمان تقویٰ کے مطالب اور مقتضیات میں سے ہے اس لیے اسے متقیوں کی پہچان بتایا ہے، جیسا کہ فرمایا:

هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ۔ (سورہ بقرہ ۲-۳)

(کتاب الٰہی) ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔ ان لوگوں کے لیے جو غیب میں ایمان رکھتے ہیں۔

اور تقویٰ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت پر ایمان ہو۔ اسی لیے جو آخرت کے منکر ہیں اور حق و عدل اور جزا پر ایمان نہیں رکھتے وہ نہ خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ اس کے عدل کامل پر ان کا یقین ہوتا ہے۔ ان کی ساری کوششیں دنیا کے لیے ہوتی ہیں، اسی کی محبت میں وہ ڈوبے رہتے ہیں، ان پر انذار کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیوں کہ اس کے وسائل انھوں نے آپ منقطع کر دیے ہیں اور اس کے دروازے اپنے اوپر بند کر رکھے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔ (سورہ بقرہ ۶)

جن لوگوں نے کفر کیا یکساں ہے ان کے لیے ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان لانے والے نہیں۔

یعنی جب تک وہ آخرت کے انکار پر قائم ہیں ان کے لیے ایمان کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آخرت پر ایمان ہی اصل چیز ہے اور اسی پر دین کی بنیاد ہے۔ چنانچہ اس کا انکار خدا اور اس کے رسول کا انکار ہے۔ قبولِ ہدایت کے لیے یہی شرط ٹھہری ہے کیوں کہ دنیائے فانی سے بے زاری اور لاتعلقی اس کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس کا انکار قلب کے لیے سب سے بڑا حجاب اور رب سے غفلت کا سب سے بڑا سبب ہے۔

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے اپنی تعلیم کی بنیاد اسی پر رکھی ہے اور اوائل وحی میں سب سے زیادہ اسی کی طرف دعوت دی ہے اور سارا زور اس پر صرف کیا ہے۔ یہاں تک

کہ توحید کی تعلیم کے ساتھ اسے جوڑ دیا جس طرح نماز اور زکوٰۃ کو باہم مخلوط کیا ہے[1]۔ یہی وجہ

---

[1] اس میں نماز کا تعلق واضح طور پر توحید سے ہے اور زکوٰۃ کا آخرت سے۔ نماز ظاہر ہے کہ توحید کا مظہر یا خدا کی وحدانیت کے اقرار و اعتراف کی صورت ہے اور زکوٰۃ آخرت کی تصدیق ہے جیسا کہ فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۔ (سورہ لیل ۵-۷)

سو جس نے سخاوت کی اور ڈر چلا اور اچھے انجام کو سچ مانا اس پر ہم آسان کر دیں گے راحت کی منزل۔

نیز فرمایا:

وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۔ (سورہ معارج ۲۴-۲۶)

اور وہ جن کے اموال میں ایک معین حق ہے سائلوں اور محروموں کا اور جو تصدیق کرتے ہیں جزا کے دن کی۔

چنانچہ جس طرح ترکِ صلوٰۃ انکارِ رب کے برابر ہے اسی طرح زکوٰۃ نہ دینا آخرت کی تکذیب ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۔ (سورہ قیامہ ۳۱-۳۲)

پس نہ سچ مانا نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ موڑا۔

نیز فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۔ (سورہ لیل ۸-۱۰)

اور جس نے بخالت کی اور بے پروائی کی اور اچھے انجام کو جھٹلایا اس پر ہم آسان کر دیں گے کٹھنائی کی منزل۔

مزید فرمایا:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۔ (سورہ ماعون ۱-۳)

کیوں تو نے دیکھا روزِ جزا کے جھٹلانے والے کو۔ یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور فقیر کھلانے سے روکتا ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ قرآن مجید میں توحید اور معاد کا بیان اکثر جگہوں پر آپ ساتھ ساتھ دیکھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور جس طرح آخرت پر ایمان خدائے واحد پر ایمان کا لازمی نتیجہ ہے اسی طرح انفاق مال لازمۂ نماز ہے۔ نماز اصل ہے اور انفاق اس کا لازمی تقاضا۔ اکثر اصل کی صحت کا پتہ اس کے نتائج اور لوازم سے چلتا ہے۔ اس حقیقت کو سورہ ماعون کے آخر میں یوں بیان فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۔ (۴-۷)

تو براہو ان نمازیوں کا جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور ادنیٰ سی چیز مانگے نہیں دیتے۔

چنانچہ اگر اصل کا اعتبار کیا جائے تو دین نام ہے خدا کی بندگی اور اطاعت کا، اور نتیجہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو دین نام ہے غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کا۔ اور یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو یا ایک ہی سکّہ کے دو رخ ہیں کیوں کہ جب تک دل سے مال کی محبت ختم نہیں ہوتی، جو زکوٰۃ کی اصل روح ہے، اس وقت تک خدا کی محبت دل میں داخل نہیں ہوتی جو کہ نماز کی حقیقت ہے۔ چنانچہ غریبوں پر مال خرچ کرنا خدا کی قربت کا ذریعہ اور آخرت کی کامیابی کی کلید ہے اور حبِّ مال کا ہونا خدا سے دوری اور آخرت کے اجر سے محرومی ہے۔ چوں کہ حبِّ مال حبِّ دنیا کی علامت ہے جو محبتِ الٰہی اور خوفِ آخرت کی ضد ہے۔ اس لیے انفاق مال سے جی چرانا یا دکھاوے اور شہرت کے لیے مال خرچ کرنا اہل ایمان کا نہیں بلکہ کفار و مشرکین کا شیوہ ہے جیسا کہ فرمایا:

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔ (سورہ حٰم السجدہ ۶-۸)

اور ان مشرکوں کے لیے تباہی ہے جو انفاق نہیں کرتے اور آخرت کے تو اصل منکر وہی ہیں۔ البتہ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے (یعنی انفاق سے کام لیا) ان کے لیے دائمی صلہ ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معاد اور توحید میں ربط

قرآن مجید میں اس طرح کی بہت سی آیتیں آپ کو ملیں گی جیسی کہ سورہ روم کی یہ آیت:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نیز فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورہ نساء ۳۸)

جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

مزید فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (سورہ بقرہ-۲۶۴)

اے ایمان والو! احسان جتا کر اور دل آزاری کر کے اپنی خیرات کو اکارت مت کرو اس شخص کی مانند جو اپنا مال دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

پس انفاق تمام اعمال صالحہ کی اصل ہے جس طرح نماز تمام عبادات کی جڑ ہے اور دونوں کا مدار عقیدہ توحید و آخرت پر ہے۔ جس طرح یہ دونوں ایک دوسرے پر مشتمل ہیں ویسے ہی وہ دونوں بھی ایک دوسرے پر مشتمل ہیں۔ (مرتب)

مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۔ (آیت ۸)

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے نہیں پیدا کیا مگر غایت و حکمت اور ایک مقررہ مُدّت کے لیے۔ اور لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔

اس سے مجھ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ ذات خالق و حکیم نے ہر شے کو ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، اور جب وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو اس کی مُدت ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہ مقصد بھی کسی اور غرض کی تکمیل کے لیے ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے کرشموں کا تسلسل رُک جاتا۔ چنانچہ مخلوقات کی پیدائش کا نظام برابر نمو اور ترقی پذیر رہنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف واپس ہوتے رہنے پر قائم ہے، جیسا کہ فرمایا:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۔ (سورہ مومنون ۱۱۵)

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بے مقصد بنایا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔

پس وہی پیدا کرنے والا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ مرکز حقیقی وہی ہے اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے دائرہ سے نہ کوئی نکل سکتا ہے اور نہ اس سے اوجھل ہو سکتا ہے۔ وہی اول و آخر ہے، اس لیے کسی دوسرے خدا کی گنجائش نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں معاد کے ذکر کے بعد توحید کا بیان اور شرک کی بُرائی آپ کو اکثر جگہوں پر نظر آئے گی، جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کے بعد ہے:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۔ (سورہ مومنون ۱۱۶)

بہت ہی بلند و برتر ہے ذات اللہ بادشاہ حقیقی کی۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ، عرش کریم کا مالک۔

آسمان و زمین اور نفس کے اندر اور پھر آسمان و زمین کے مابین عجائب قدرت

و خلقت کی جو عظیم الشان نشانیاں موجود ہیں اور ان کو دست غیب نے جس طرح ایک دوسرے کے لیے سازگار بنایا ہے اس سے خدا کی توحید اور اس کی پروردگاری کا نہایت کھلا ہوا ثبوت ملتا ہے۔ اس نظام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس پروردگار نے اس کو بنایا ہے وہ بادشاہت، قدرت، علم، حکمت اور عدل و رحمت کی تمام اچھی صفتوں سے کمال درجہ متصف ہے اور پھر اس سے لازمی نتیجہ کے طور پر یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ جزا و سزا دینے والا بھی ہے۔ گویا استدلال کا پہلا زینہ یہ ہے کہ ہم خدا کی ان صفتوں تک پہنچتے ہیں جو توحید پر دلیل ہیں۔ پھر اس سے جزا و سزا پر استدلال کرتے ہیں۔

اس ترتیب استدلال کی قرآن مجید نے متعدد مقامات پر وضاحت کی ہے۔ ان آیات میں پہلے عام طور پر خدا کی پروردگاری کے آثار رحمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ پھر خاص طور پر جزا و سزا کے دلائل کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۔ (سورہ ذاریات ۲۲)

اور آسمان میں تمھاری روزی ہے اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

یعنی وہ پروردگار جو آسمان و زمین سے تمھارے لیے روزی فراہم کرتا ہے، اس نے تم کو بے مقصد نہیں بنایا ہے اور وہ تم کو شتر بے مہار کی طرح یوں ہی چھوڑے نہیں رکھے گا۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۔ (سورہ مومنون ۱۱۵)

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بے مقصد بنایا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔

یہ آسمان و زمین اپنے اندر بے شمار ایسی آفاقی و انفسی دلیلیں رکھتے ہیں جن سے ربوبیت اور جزا و سزا کی شہادت ملتی ہے۔ اس بات کو قرآن مجید نے نہایت واضح لفظوں میں یوں بیان کر دیا:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ

ہم عنقریب دکھائیں گے ان کو اپنی

وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۔ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ۔

نشانیاں آفاق میں اور خود ان کے اندر۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہ شدنی ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز پر گواہ ہے۔ آگاہ! وہ شبہ میں مبتلا ہیں اپنے رب سے ملنے کے باب میں۔ آگاہ! وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(سورہ حم السجدہ ۵۳-۵۴)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم و قدرت، اپنے تصرف و انتظام اور اپنی حکمت و رحمت سے تمام عالم کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ ایک ایسا دن بھی لائے جس میں لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے۔

قرآن مجید میں یہ استدلال مختلف طریقوں سے بیان ہوا ہے لیکن اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کو یاد رکھا جائے کہ خدا کی صفات ربوبیت اور عدل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ربوبیت کا تصوّر عدل کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن صاف لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ آسمان و زمین کا قیام عدل ہی سے ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۔

اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع بن جاتا تو آسمان و زمین اور جو ان کے اندر ہیں سب تباہ ہو جاتے۔

(سورۃ المومنون ۷۱)

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ حق سے مراد حکمت و عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی عدل اور حکمت بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کائنات میں جس قدر عجائب قدرت و صنعت آپ دیکھتے ہیں ان سب میں اس امر کی شہادت موجود ہے کہ وہ ایک حکیم مدبّر کی تدبیر و حکمت سے وجود میں آئی ہیں اور یہ اس امر کی ناقابلِ انکار دلیل ہے کہ یہ عالم ایک غایت و مقصد کے ساتھ وجود میں آیا ہے اور یہ ایک ایسے انجام پر ختم ہو گا جو سراسر رحمت و حکمت ہے۔ پھر یہیں سے یہ بات بھی نکل آتی ہے کہ وہ ہر صاحب عمل کو

اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے اور بُرے اور بھلے میں امتیاز کرے۔ اس بات کو دوسرے مقامات میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ۔ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ۔

کیا ہم فرماں برداروں کو نافرمانوں کی طرح کر دیں گے۔ تم کو کیا ہو گیا ہے، کیسا فیصلہ کرتے ہو۔؟

(سورۃ القلم ۳۵-۳۶)

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۔

بے شک خلق کا آغاز وہی کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرے گا تاکہ ان لوگوں کو عدل کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور جنھوں نے بھلائیاں کیں۔

(سورہ یونس ۴)

اسی طرح فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۔ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ۔

ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا گمان ہے جو آخرت کے منکر ہیں۔ ان کافروں کے لیے دوزخ کے سبب سے ہلاکی ہے۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے بھلے کام کیے زمین میں فساد مچانے والوں کی طرح کر دیں گے۔؟ کیا ہم خدا سے ڈرنے والوں کو نافرمانوں کی طرح بنا دیں گے۔

سورہ ص ۲۷-۲۸

یہی بات قرآن مجید میں مختلف مقامات میں مختلف طریقوں سے بیان ہوئی ہے اور ہر جگہ مقصد ایک ہی ہے کہ خدا کی صفات حکمت، رحمت اور عدل کا لازمی تقاضا

ہے کہ روز جزا کا ظہور ہو۔

قیامت سے مقصود صالحین پر رحمت ہے۔ رہا عذاب کا معاملہ تو یہ ایک پہلو سے رحمت کے ساتھ عدل کا لازمی تقاضا ہے، جس میں مظلوموں کی طرف سے انتقام شامل ہے، اور دوسرے پہلو سے حق کو قائم اور برقرار رکھنے کی غرض سے ہے کیونکہ نیک اور بد دونوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرنا ایک لحاظ سے ظلم اور دوسرے اعتبار سے حقائق ثابتہ کو ٹھکرا دینے کے مترادف ہے۔ دلیل اس بات پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔
(سورہ انعام ١٢)

اس نے خود پر رحمت واجب کر رکھی ہے وہ تم کو ضرور لے جائے جمع کر کے قیامت کے دن کی طرف جس میں ذرا شبہ نہیں۔

اور یہ آیت بھی:

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔
(سورہ یونس ۴)

بے شک خلق کا آغاز وہی کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرے گا تا کہ ان لوگوں کو عدل کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور جنھوں نے بھلائیاں کیں اور جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے ان کے کفر کی پاداش میں کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہے۔

نیز فرمایا ہے:

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ۔ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔
(سورہ قلم ۳۵-۳۶)

کیا ہم فرماں برداروں کو نافرمانوں کی طرح کر دیں گے۔ تم کو کیا ہو گیا ہے، کیسا فیصلہ کرتے ہو۔؟

آخرت کے دلائل وشواہد

لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ

(مجھے روز محشر کی قسم اور نفس ملامت گر کی قسم)

قیامت پر نفس لوّامہ کی شہادت

یہاں آپ دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے ساتھ نفس لوّامہ کی قسم کھائی ہے یعنی ہمارے نفس کو خود ہمارے نفس کے خلاف شہادت میں پیش کیا ہے۔ نفس لوّامہ کو شہادت میں پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا نفس پورے یقین کے ساتھ یہ محسوس کر رہا ہے کہ وہ ایک ذمہ داری کے بوجھ سے گراں بار ہے اس پر ایک حاکم ہے جو اس کا محاسبہ کرے گا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض کام جو ہم کرتے ہیں اس پر ہمارا نفس ہم کو ملامت کرتا ہے۔ یہ حالت تو اس بات پر کھلی ہوئی دلیل ہے کہ جزا اور محاسبہ کا ایک دن ضرور پیش آنے والا ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی اس سے واضح ہوتی ہے کہ انسان کے نفس کے اندر ایک باطنی واعظ اور ایک اندرونی ناصح کی بولتی ہوئی زبان موجود ہے جو غلطیوں اور بُرائیوں پر اس کو برابر ٹوکتی اور نصیحت کرتی رہتی ہے تا کہ نفس خود اپنی ہی آواز پر چل کر راضی خوشی اللہ کی جماعت میں داخل ہو جائے اور اس کے اندر انکار و سرکشی کا کوئی داعیہ نہ اُبھرنے پائے۔ یہی باطنی حس ہے جس کو قرآن نے 'بصیرت' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ اور پھر تعجب کیا ہے کہ اس بصیرت کے ہوتے ہوئے وہ جزا کا انکار کس طرح کر سکتا ہے؟ اس کا انکار اگر وہ کر سکتا ہے تو صرف اس صورت میں کر سکتا ہے کہ وہ سرے سے خدا کے دوبارہ پیدا

کرنے پر قادر ہونے کا انکار کر بیٹھے۔ لیکن یہ انکار نہ صرف ایک انتہائی درجہ کی معصیت ہے بلکہ ایک سخت و شدید قسم کی حماقت بھی ہے۔ اور یقیناً یہی معصیت و حماقت داعی ہوئی کہ سرکش انسان اس سے بھی بڑی معصیت کا ارتکاب کرے، یعنی خدا کی قدرت کا انکار خود خدا کے سامنے کرے اور شک کی وہ بیماری جو اس کے دل کے اندر چھپی ہوئی ہے اس کو پوری رعونت اور پورے گھمنڈ کے ساتھ قیامت اور روزِ جزا کے مذاق کی صورت میں ظاہر کرے۔

جس طرح شہادت میں قیامت اور نفس لوّامہ دونوں کو ساتھ ساتھ پیش کیا ہے اسی طرح آگے چل کر قیامت اور نفس لوّامہ کے صفات بھی ایک ہی ذیل میں بیان کیے ہیں۔ نفس لوّامہ کی صفت بصیرت بیان فرمائی ہے اور بصیرت کا ناقابلِ انکار ہونا اس امر سے ثابت کیا ہے کہ انسان اپنے جرائم پر اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لیے کتنے ہی بہانے اور حیلے گڑھے لیکن وہ کسی طرح بھی اس کو مطمئن نہیں کر پاتا۔ دل کے پردوں میں کوئی چھپی ہوئی زبان برابر اس کو ٹوکتی اور سرزنش کرتی ہی رہتی ہے اور اندر سے ملامت کی ٹیس برابر اُٹھتی ہی رہتی ہے۔ اس خلش سے اس کو چھٹکارا صرف اسی صورت میں ملتا ہے جب اس کی بدنفسی اس حد تک بڑھ جائے کہ اس کے اعمال کی سیاہی اس کے قلب کا احاطہ کر کے اس کو بالکل اندھا بہرا کر دے اور اس میں نیک و بد کے امتیاز کے لیے کوئی روشنی سرے سے باقی ہی نہ رہ جائے۔ نفسِ انسانی کی شقاوت کی یہ آخری حد ہے جس کے بعد اصلاح کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور انسان پر وہ حالت طاری ہو جاتی ہے جس کو قرآن مجید نے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ یعنی دلوں پر مہر کر دینے کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔ اور اندھوں کی یہی وہ بدبخت جماعت ہے جس سے اعراض کرنے اور درگزر کرنے کا مُحمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قرآن مجید میں بار بار حکم دیا گیا:

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا — پس جنھوں نے ہمارے ذکر سے منہ موڑا
وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا — اور جو صرف دنیا کی زندگی ہی پر قانع
ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ — ہو گئے اُن سے اعراض کرو۔ ان کے
(سورۃ النجم ۲۹ - ۳۰) — علم کی رسائی بس یہیں تک ہے۔

قیامت اور نفس لوّامہ میں معنوی ربط

قیامت اور نفس لوّامہ کا ذکر ایک ساتھ آنے سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ان دونوں میں کوئی گہرا معنوی ربط ہے، چنانچہ غور و تدبر سے بعض نہایت لطیف حقائق روشنی میں آتے ہیں جن کی طرف ہم یہاں اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

قیامت نفس کلی کے لیے بمنزلہ لوامہ کے ہے۔ اس اجمال کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔ یہ عالم جو دیکھنے میں ہم کو نہایت پریشان اور بکھرا ہوا نظر آتا ہے حقیقت کے اعتبار سے نہایت ہم آہنگ اور مربوط ہے۔ اس کے تمام اجزاء میں ایک نہایت اعلیٰ ترتیب ہے، جو ان سب کو ایک رشتہ میں جوڑ کر ان کو ایک حسین وحدت کے قالب میں ڈھالتی ہے۔ جس طرح ایک انسان کا جسم اپنے اعضاء و جوارح کے اختلاف کے باوجود ایک باطنی شیرازہ میں بندھی ہوئی وحدت ہے، ٹھیک ٹھیک یہی حال اس مجموعۂ کائنات کا بھی ہے۔ یہ عالم اپنی وحدت اور اپنی ہم آہنگی کے اعتبار سے بمنزلہ ایک شخص کے ہے اور جس طرح ہر انسان کے اندر اس کے افعال پر ملامت کرنے کے لیے ایک نفس لوامہ ہوتا ہے اسی طرح اس عالم کے احوال و معاملات پر ملامت کرنے کے لیے بھی ایک نفس لوّامہ ہے اور یہی نفس لوّامہ ہے جس میں اس عالم کی صلاح و فلاح کی تمام روح پوشیدہ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو یہ سارا نظامِ کائنات ظلم و عدوان اور شرارت و معصیت کے ہاتھوں برباد ہو کے رہ جائے۔ یہ جو تم دیکھتے ہو کہ یہ دنیا بگڑ بگڑ کے بنتی اور اُجڑ اُجڑ کے بستی ہے تو یہ سب اسی مشاطۂ جمال یعنی نفس لوّامہ کی کارفرمائی ہے۔ اس دنیا کا شیرازہ بارہا بکھرا اور مجتمع ہوا، یہ اپنے مرکز سے بارہا ہٹی اور صحیح راہ پر لگ گئی، کتنی بار ہم نے دیکھا کہ اس کے تمام اجرام باہم ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے، مگر ایک مخفی ہاتھ بادلوں میں چھپا ہوا گویا اس بات کا منتظر ہی تھا کہ یہ زلف الجھے اور وہ اس کو سلجھا دے۔ چنانچہ یہ کل جب جب بگڑی اس نے ہر بار اس کے کل پرزوں کو بٹھایا اور اس کو بگڑنے سے بچا لیا۔ یہ طویل بحث ہے جس پر یہاں پھیل کر گفتگو کرنے کا موقع نہیں ہے لیکن اہلِ نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کائنات کے اندر اصلاح و درستگی کی ایک مخفی روح کارفرما

ہے۔ اور یہ جو رات کے بعد دن کی تابانی، جاڑے کی خزاں سامانیوں کے بعد ربیع کی بہار آفرینی، قحط کی خشکی و یبوست کے بعد ابر و باد کی تردستیوں کے جلوے ہمارے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں، ان سب میں اس شاہد مستور کے عجائب اور کرشمے ہم دیکھتے ہیں۔

یہ تغیرات اس مادی دنیا پر طاری ہوتے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک اسی قسم کے تغیرات اس دنیا کے اخلاقی عالم میں بھی نمودار ہوتے ہیں۔ اس میں بھی ہماری مادی دنیا کی ربیع و خریف کی طرح بہار و خزاں کی نیرنگیاں نمودار ہوتی ہیں۔ البتہ دونوں کی شکلوں میں کسی قدر فرق ہوتا ہے اور ان کے نام بھی ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہوتے ہیں۔ مادی دنیا میں بہار آتی ہے تو کہتے ہیں کہ خشکی و ویرانی کے بعد سرسبزی و شادابی کا موسم آگیا لیکن یہی چیز جب اخلاقی عالم میں نمودار ہوتی ہے تو کہتے ہیں بدی کے بعد نیکی کا دورِ سعادت آگیا، ظلم و جور کی ظلمت کے بعد اخلاق اور انسانیت کی صبح طلوع ہوئی۔

الغرض قیامت کی اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ اس عالم کے نفس کلی کے لیے بمنزلہ لوّامہ کے ہے۔ چنانچہ دیکھیے کہ قیامت اور نفس لوّامہ، جو ہم میں سے ہر شخص کے اندر موجود ہے اور جو گویا ہمارے عالم باطن کے اندر قیامت کی ایک مثال یعنی قیامت صغریٰ ہے، اپنی خصوصیات وصفات میں دونوں بالکل یکساں ہیں۔ قیامت نفس کلی کے لیے لوّامہ ہے یعنی جو کچھ اس نے کیا ہے وہ سب ایک روز ان کے سامنے رکھ دے گی۔

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔ (سورہ قیامہ ۱۳)	انسان اس دن جان لے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور جو کچھ پیچھے چھوڑا۔

اور بعینہٖ یہی حال ہمارے اندر کے نفس لوّامہ کا ہے۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہمارے اعمال کی اصل حقیقت رکھ دیتا ہے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ۔ (سورہ قیامہ ۱۴)	بلکہ انسان اپنے نفس پر خود بصیرت ہے۔

نطق انسانی سے معاد پر استدلال[1]

نطق، نفس کے تمام مظاہر و حالات میں، نفس سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفس ہر بات پر فکر کے واسطہ سے متنبہ ہوتا ہے، اور فکر اور نفس کے مابین کوئی اور واسطہ نہیں ہے بلکہ خود فکر ہی نطق حقیقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقل کو نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں۔ یہ نطق جو کانوں سے سُنا جاتا ہے یہ تو محض نطق حقیقی کا ظہور ہے۔ پس ظاہر ہے نفس کے لیے اپنے نطق حقیقی کا علم سب سے زیادہ بدیہی اور سب سے زیادہ قابل یقین ہوگا۔

نطق نفس کے اندر سب سے زیادہ راسخ چیز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسان کی فطرت کے اندر داخل اور اس کے خواص میں سے ہے۔ چنانچہ انسان کی تعریف ہی "حیوان ناطق" سے کی گئی ہے۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ نفس کے تمام مظاہر و حالات میں سے نطق نے جس قدر شہادتیں اور تائیدیں اپنے اندر جمع کر رکھی ہیں اتنی تائیدیں اور شہادتیں کسی چیز کو بھی حاصل نہیں ہیں۔ اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کسی بات کے لیے شہادتوں اور تائیدوں کی کثرت اس کے بدیہی اور فطری ہونے سے ایک امر زائد ہے۔ اس روشنی میں نطق کی حقیقت پر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ خصوصیت اس کے اندر مختلف پہلوؤں سے جمع ہوگئی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بولنے والا پہلے سونچتا ہے (اور درحقیقت یہ سونچنا ہی اصلی نطق ہے)۔ پھر یہی فکر

---

[1] آیت "اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ" (قیامت کا واقع ہونا اسی طرح برحق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو) سورہ ذاریات ۲۳ کی تفسیر کے ذیل میں۔

بالکل ٹھیک ٹھیک اس کی زبان سے ادا ہوتا ہے۔ پھر زبان سے جو کچھ ادا ہوتا ہے اس کو اس کے کان سنتے ہیں۔ اور وہ دیکھتا ہے کہ زبان کی تعبیر اور کانوں کا سماع دونوں ایک دوسرے کے بالکل مطابق ہے۔ پھر وہ گفتگو کے مطابق مخاطب کی طرف سے اس کا جواب پاتا ہے۔ الغرض اس طرح شہادتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ لفظ لفظ بلکہ حرف حرف اس مطابقت کی شہادتوں کا انبار لگا دیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفس کے وجود پر نطق سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دلیل میں فعل نطق کو پیش کیا ہے۔ فرمایا ہے:

مِثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۔ (ذاریات ۲۳) — جس طرح کہ تم بولتے ہو۔

مثل نطقکم (تمہارے نطق کی طرح) نہیں فرمایا۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ ہمارے اندر ہر چیز کا تعین درحقیقت ہمارے نطق پر یقین ہی کا نتیجہ ہے اور ہمارے تمام یقینیات اور ہمارے تمام استدلالات کی اصل بنیاد ہمارا نطق ہی ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نطق کی تمثیل یہاں محض دعویٰ نہیں ہے بلکہ یہ معاد کی ایک نہایت قوی دلیل بھی ہے۔ اس دلیل کو سمجھنے کے لیے ضرورت ہے کہ نطق انسانی اور معاد میں اشتراک اور مماثلت کے جو پہلو ہیں وہ سامنے آئیں۔ ہم یہاں بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں:

آسمان اور زمین بے شمار ایسے آثار ربوبیت سے معمور ہیں جو معاد پر دلیل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان آثار میں سے نطق اہل عقل کے نزدیک سب سے زیادہ واضح اور روشن آیت ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ۔ (حٰم سجدہ ۲۱) — ہم کو اس خدا نے گویا کیا جس نے ہر چیز کو گویائی دی۔

یا فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ۔ (سورہ بنی اسرائیل ۴۴) — اور نہیں ہے کوئی شے مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔

گویا یوں فرمایا کہ جس طرح تم بولتے ہو اسی طرح یہ پوری کائنات بول رہی ہے خدا کی طرف لوٹنا حق ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

دوسری چیز نطق کی حقیقت پر غور سے سامنے آتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لفظوں کو جوڑنے اور ان کو حسب منشا ادا کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ پھر اس کو اس بات پر بھی قدرت دی ہے کہ وہ اپنے فکر اور نطق کو ٹھیک ٹھیک اعادہ کر سکے۔ بلکہ اعادہ کرنے میں وہ پہلے سے زیادہ خوبی اور صفائی کا اظہار کر سکتا ہے۔ یہ چیز انسان کے کمالات میں سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کا اس نے خاص طور پر ذکر بھی فرمایا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ (سورہ رحمٰن ۳-۴) — انسان کو بنایا اور اس کو نطق کی تعلیم دی

اگر انسان اپنی اس قابلیت کو دیکھے تو اس کو اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں رہے گا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو فنا ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کر سکتا ہے کیونکہ یہ تمام کائنات محض اس کے نطق سے وجود میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ کسی سامان اور آلہ کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ صرف اپنے کلمۂ کُنْ سے اس کو پیدا کر دیتا ہے۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (سورہ نحل ۴۰) — جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہو جا، پس ہو جاتی ہے۔

یہ تمام کائنات خدا کے ایک کلمہ سے وجود میں آئی ہے۔ اسی ایک کلمہ سے اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اور جب چاہے گا اسی ایک کلمہ سے ان کا اعادہ بھی فرما دے گا بلکہ دوبارہ پیدا کر دینا اس کے لیے اور بھی سہل ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ۔ (سورہ روم ۲۷) — وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر اس کا اعادہ کرے گا اور اعادہ اس کے لیے زیادہ سہل ہے۔

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَـيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔

کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو بنایا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ ان کے مثل پیدا کر دے؟ (یعنی موت کے بعد ان کو دوبارہ پیدا کر دے، کیونکہ یہاں سیاق کلام اثبات معاد کا ہے۔ اس مضمون کی وضاحت دوسرے مقامات میں بھی ہوئی ہے۔ آسمان و زمین کی خلقت اس بات پر دلیل ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس مضمون کی تصریح ان آیات میں بھی ہے جن میں معاد کا اثبات محض خدا کی صفت خلق و علم سے کیا گیا ہے اس کی طرف اشارہ یہاں بھی ہے چنانچہ فرمایا) ہاں وہی حقیقی پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ اس کا حکم جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے، یہ ہے کہ وہ اس کو کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی قدرت ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(سورہ یٰس ۸۱-۸۳)

اسی طرح معاد کے متعلق دوسری جگہ فرمایا ہے:

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ۔

ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ہمارا حکم نہیں ہے مگر ایک پلک کے جھپکنے کی طرح)۔

غرض نطق میں اس بات کی نہایت کھلی ہوئی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو دوبارہ پیدا کرنے پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنا ایک صاحب نطق اپنے نطق کے اعادہ پر۔ وہ ہر چیز کو اسی طرح دوبارہ پیدا کر سکتا ہے جس طرح اس نے اس کو پہلی بار پیدا کیا۔ یہ بات مختلف اسلوبوں سے قرآن مجید میں بار بار بیان کی گئی ہے، مثلاً:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۭ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓي اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۔

(سورہ قیامہ ۳-۴)

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں اکٹھی نہیں کر سکیں گے؟ ہاں ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کے پور پور کو برابر کر دیں۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔

(سورہ واقعہ ۶۲)

اور تم پہلی خلقت کو تو جان ہی چکے ہو تو اس سے کیوں نہیں یاددہانی حاصل کرتے؟

ایک اور جگہ ہے:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۔

(سورہ یٰس ۷۸-۷۹)

پوچھتا ہے ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب کہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی۔ کہہ دو ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا اور وہ اپنی ہر مخلوق سے باخبر ہے۔

اثبات معاد پر یہ استدلال ان لوگوں کے جواب میں ہے جو معاد کا انکار محض اس وجہ سے کر رہے تھے کہ مر جانے اور سڑ گل جانے کے بعد دوبارہ اُٹھایا جانا ان کے خیال میں ایک بالکل بعید از قیاس بات تھی۔

نطق کی ایک ضروری خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ناطق کی طرف لوٹتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ناطق بہرا ہے۔ اور جو بہرا ہو گا اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ گونگا

بھی ہو۔ پس نطق کی اس حقیقت کے لحاظ سے ضروری ہوا کہ یہ تمام مخلوق اپنے خالق کی طرف لوٹے کیونکہ یہ تمام خلق اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے وجود میں آئی اور اسی کے حکم سے قائم ہے، اور ناممکن ہے کہ اس کے تصرف و اختیار سے باہر نکل سکے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

اَوَ لَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ فَسُبْحٰنَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔
(سورہ یٰس ۸۱-۸۳)

کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان کے مثل پیدا کر دے۔ ہاں وہی حقیقی پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس کے لیے اس کا حکم صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کا اختیار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرے اور تمام مخلوق اس کی طرف نہ لوٹے؟ کیا وہ بولے گا اور سُنے گا نہیں؟ پیدا کرے گا اور دیکھے گا نہیں۔ وہ خلق کو پردۂ عدم سے وجود میں لائے گا تو، لیکن یہ خلق اس کے قبضۂ قدرت اور احاطۂ تدبیر سے باہر نکل جائے گی اور اس کے اختیار میں کچھ باقی نہیں رہ جائے گا۔؟

ہر چیز کا جوڑے جوڑے ہونا آخرت پر دلیل ہے

یہ دنیا بحیثیت مجموعی ایک وحدت ہے اور اس کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جو کھُلے طور پر ناقص نظر آتے ہیں اور اس کا وجود اپنی تکمیل کے لیے کسی ایسے جوڑے کا تقاضا کر رہا ہے جس سے اس کے اس نقص کی تلافی ہو سکے اور جس کے ساتھ مل کر یہ اپنے مصالح کی تکمیل کر سکے۔ یہی چیز ہے جس کو آخرت کہتے ہیں۔ گویا معاد اور آخرت اس ظاہری اور فانی دنیا کے لیے بمنزلہ زوج کے ہے اور جس سے اس سارے نقص کی تلافی ہو گی جو اس دنیا کے اندر محسوس ہو رہا ہے۔

قرآن مجید کی تصریح سے یہ بات ہم کو معلوم ہے کہ اشیاء کے جوڑے جوڑے ہونے میں ہمارے لیے بہت سی دلیلیں ہیں، فرمایا ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَىْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔
(سورہ ذاریات ۴۹-۵۱)

اور ہر چیز کا ہم نے جوڑا بنایا تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔ پس بھاگو اللہ کی طرف۔ بے شک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھُلا ہوا ہوشیار کرنے والا ہوں۔ اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود، بے شک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھُلا ہوا ہوشیار کرنے والا ہوں۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا
تَجَلّٰى وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى اِنَّ
سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۔ (سورہ اللیل ۱-۴)

شاہد ہے رات جب ڈھانک لے اور
دن جب روشن ہو اور نر و مادہ کی آفرینش
کہ تمھاری کوششیں مختلف ہیں۔

غور کیجیے اس کلام کا سیاق ہم کو اس تقابل کی طرف متوجہ کر رہا ہے جو اس نظام کائنات کے ہر گوشہ میں موجود اور اس تمام سعی و عمل کے ہنگامہ کا اصل محرک ہے اور جو خود ہمارے نفس کی تربیت کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ کیونکہ نفس انسانی کا تمام شرف و کمال اس ریاضت پر مبنی ہے جو اس کو دو بالکل متضاد میلانات کی کشاکش کے اندر کرنا پڑتی ہے۔

اس کائنات کی ہر چیز غور سے دیکھیے۔ ایک پہلو سے وہ بالکل کامل اور مستقل نظر آئے گی، دوسرے پہلو سے ناقص اور محتاج۔ ان میں حسن اور حکمت کا اصلی جمال اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب ان میں سے ہر چیز اپنے جوڑے سے مل کر اپنے اس نقص اور احتیاج کے خلا کو پُر کر لیتی ہے۔

اس بات کو سادہ لفظوں میں اجمال کے ساتھ یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوقات کو بعض کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ مثلاً علل کو معلولات کے ساتھ، طبائع کو ارادوں کے ساتھ، قویٰ کو آلات کے ساتھ، اجسام کو ارواح کے ساتھ اور دنیا کو آخرت کے ساتھ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ
الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ
الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ
وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۔
(سورہ یٰسٓ ۳۶)

باعظمت ہے وہ ذات جس نے پیدا
کیے تمام جوڑے، زمین کی نباتات
میں سے اور خود ان کے اندر سے
اور ان میں سے بھی جن کو وہ نہیں
جانتے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قانون کس قدر ہمہ گیر ہے۔ اس پر جس قدر غور کیجیے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی رحمت بے نقاب ہوتی ہے اور ہم کو اس کی تسبیح اور حمد کی دعوت دیتی ہے۔

لیکن جنھوں نے اس دنیا کی ہر چیز کو اکہری حالت میں دیکھا ہے، دوہری حالت میں نہیں دیکھا ہے۔ یعنی ان کی نگاہ جوڑے کے صرف ایک ہی فرد پر پڑی ہے، دوسرے فرد کو وہ نہیں دیکھ سکے ہیں ان پر اس کائنات کا اصلی حُسن و جمال بے نقاب نہ ہو سکا اور اس کے سبب سے وہ طرح طرح کی غلطیوں میں پڑ گئے۔ جو شخص صرف دنیا کو دیکھے گا اور آخرت پر اس کی نگاہ نہ پڑے گی، اس کو بلاشبہ یہ دنیا نہایت مکروہ، بدمنظر اور ہولناک صورت میں دکھائی دے گی۔ اس کے لیے باور کرنا نہایت مشکل ہوگا کہ اس دنیا کی خالق کوئی ایسی ذات ہے جو حکیم و رحیم ہے کیونکہ دنیا میں ظلم و معصیت کے جو وحشت ناک مناظر ہیں وہ کسی طرح بھی اس کے دل کو اس بات پر جمنے نہیں دیں گے کہ اس دنیا کا خالق حکیم و رحیم ہے۔

زمین اور رحم میں مماثلت
اور
اس سے معاد پر استدلال

زمین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ رحم سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ بلکہ دونوں کی مشترکہ خصوصیات پر غور کرنے کے بعد بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ جمع خصوصیات کے اعتبار سے زمین کا پہلو نمایاں طور پر مرجح ہے۔ قرآن مجید نے زمین کی صفت میں "کِفَاتًا، أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا" (سمیٹنے والی زندہ اور مُردہ کو) کہہ کر درحقیقت اس کی اسی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑ نصب کر کے اس کو آرام اور سکون کی جگہ بنایا:

وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ۔ (سورہ نحل ۱۵)	اور اس نے زمین میں پہاڑ ڈال دیے ہیں کہ وہ تمھیں لے کر جھک نہ پڑے۔

پھر ان پہاڑوں کو اونچا بنایا اور ان کے ذریعہ سے بادلوں کو روک کر زمین میں بقدر ضرورت پانی کا خزانہ جمع کر دیا۔ پھر ان سے سوتے نکالے اور نہریں جاری کیں۔ ان تمام امور کی طرف قرآن مجید نے جا بجا اشارے کیے ہیں۔

غرض پہاڑوں کے ذریعہ زمین کو پا بر جا اور مطمئن کر کے، اور ان کی چوٹیوں، گھاٹیوں اور چشموں سے شیریں پانی کے سوتے جاری کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اس کو ویسا ہی پُر امن گہوارہ بنا دیا ہے جیسا کہ رحم۔ جس میں جسم کے تمام گوشوں سے اس کے لیے ا کا ذخیرہ نچڑ نچڑ کر جمع ہوتا ہے اور جس کی تعریف میں فرمایا ہے:

فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ۔ (سورہ مرسلات ۲۱)	پھر اسے ایک آرام کی جگہ میں رکھا۔

بلکہ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان تمام خصوصیات میں زمین کا پہلو رحم کے مقابل میں نمایاں طور پر مرجح ہے۔ یہ تمام باتیں جس جامعیت و کمال کے ساتھ زمین میں پائی جاتی ہیں اس جامعیت و کمال کے ساتھ رحم میں نہیں پائی جاتیں۔ زمین تمام مخلوقات کے لیے بمنزلہ رحم۔ پھر جب انسان مرتا ہے اور اس میں دفن کیا جاتا ہے تو گویا وہ اسی ماں کے رحم میں رکھ دیا جاتا ہے جس نے اسے جنا تھا۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس حقیقت کی طرف کس قدر لطیف اشارہ کر رہی ہے:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا	اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور
نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ	اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور پھر
تَارَةً أُخْرَىٰ۔ (سورہ طٰہٰ ۵۵)	اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

ظاہر ہے دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ عجیب نہیں ہے۔ پھر انسان اس کی کیوں تکذیب کرے۔ اگر وہ زمین کے معاملات اور اس کے اندر اپنی زندگی اور موت کی اصل نوعیت پر غور کرے تو وہ ہرگز دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار نہیں کر سکتا، بلکہ اس پر ایک نئی حقیقت روشن ہوگی جو اس کے ایمان و یقین کو اور زیادہ مضبوط کر دے گی۔ وہ دیکھے گا کہ جس دن وہ پیدا ہوا تو گویا پیدا نہیں ہوا، بلکہ اس کا حمل قرار پایا، اور جس دن مرا تو گویا مرا نہیں بلکہ پیدا ہوا۔

پھر دوسرے پہلو سے غور کرے گا تو ایک اور حقیقت اس کے سامنے آئے گی۔ وہ دیکھے گا کہ جس دن وہ مرا تو گویا مرا نہیں بلکہ زمین کے پیٹ میں اس کا حمل قرار پایا۔ اب ناگزیر ہے کہ اس حمل کے لیے بھی ایک دن وضع حمل کا آئے اور وہ دن وہی ہوگا جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے:

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا	جب زمین میں بھونچال ڈالا جائے
وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا۔	اور زمین اپنے بوجھ باہر
(سورہ زلزال ۱-۲)	ڈال دے۔

ابر و ہوا سے جزا و سزا پر استدلال

ہواؤں اور بادلوں کے تصرفات عجیب عجیب صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کبھی ہوائیں اُٹھتی ہیں، بوجھل بادلوں کی مشکیں اپنے اوپر لادتی ہیں اور چٹیل میدان میں لے جاکر ان کو جل تھل کر دیتی ہیں۔ کبھی سمندروں میں سامان سے بھری ہوئی کشتیوں کو کھیتی ہیں جن سے تجارت اور معیشت کے بے شمار فوائد ظہور میں آتے ہیں۔ کبھی ریگستانوں سے حاصب بن کر اُبھرتی ہیں اور آبادبستیوں کو ریت اور پتھروں سے ڈھانک دیتی ہیں، کبھی صرصر بن کر اولے اور کڑک کے عذاب کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔ کبھی طوفان بن کر سیلاب انگیز بارش لاتی ہیں اور سمندروں میں ہیجان پیدا کر دیتی ہیں۔

ہواؤں اور بادلوں کی یہی مختلف حالتیں ہیں جن کو قرآن مجید نے "تقسیم امر" سے تعبیر کیا ہے[1] اور یہ چیز خدا کی رحمت اور اس کے غضب کو اس کے مستحقین میں الگ الگ اس طرح تقسیم کرتی ہے جس طرح ایک عاقل ایک چیز کو اچھی طرح پہچان کر تقسیم کرتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ہوئی بات زبور ۱۴۷ : ۱۵-۱۸ میں بھی ہے :

وہ اپنا حکم زمین پر بھیجتا ہے۔
اس کا کلام نہایت تیز رو ہے۔
وہ برف کو اون کی مانند گراتا ہے۔
اور پالے کو راکھ کی مانند بکھیرتا ہے۔
وہ یخ کو لقموں کی مانند پھینکتا ہے۔

---

[1] اس سلسلہ میں دیکھئے سورہ ذاریات کی ابتدائی آیتیں۔

اس کی ٹھنڈ کون سہہ سکتا ہے؟
وہ اپنا کلام نازل کر کے ان کو پگھلا دیتا ہے۔
وہ ہوا چلاتا ہے اور پانی بہنے لگتا ہے۔

اس عبارت میں دیکھئے 'ہوا' کو 'کلمۂ رب' (حکمِ خدا) سے تعبیر کیا ہے اور پھر اسی کے سارے کرشمے بیان کیے ہیں۔ یہ ایک نہایت لطیف اسلوب ہے کیونکہ عبرانی زبان میں ہوا اور کلام دونوں کے لیے ایک ہی لفظ ہے۔ قرآن مجید کی ایک ہی جامع آیت میں یہ ساری باتیں اکٹھی ہو گئی ہیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش
وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ	اور شب و روز کی گردش اور ان کشتیوں میں جو
الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ	سمندروں میں لوگوں کی نفع کی چیز لے کر چلتی
وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ	ہیں اور اس پانی میں جو خدا نے آسمان سے اُتارا
فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ	جس سے زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد زندہ
فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ	کیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے، اور
الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ	ہوا کی گردش میں اور بادلوں میں جو آسمان اور
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ	زمین کے درمیان مسخر ہیں عقل مندوں کے لیے
یَّعْقِلُوْنَ ۔ (سورہ بقرہ – ۱۶۴)	دلیلیں ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ ہواؤں اور بادلوں کا اس طرح گردش کرنا جس میں عام خلق الٰہی کے لیے نفع کا اور خاص خاص جماعتوں کے لیے نقصان کا پہلو نمایاں ہو، اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ کارخانۂ خلق بے مقصد اور بے نظام نہیں چل رہا ہے۔ یہ ہوائیں بُرے اور بھلے کے درمیان امتیاز کرتی ہیں، ایک قوم کے لیے عذاب بن کر نمودار ہوتی ہیں اور دوسری کے لیے رحمت بن کر۔

یہ سب حالتیں اور خصوصیتیں اس لیے بیان کی گئی ہیں کہ واضح ہو کہ ان کی باگ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی قدرت و حکمت ان پر پورا تصرف رکھتی ہے۔ ان ہی ظاہر احوال و آثار پر قرآن مجید نے ایک عظیم الشان حقیقت کی بنیاد رکھی ہے۔ یعنی دنیا میں ہواؤں کے جو تصرفات ہم دیکھتے ہیں اور ان سے رحمت و عذاب اور نفع و نقصان کے جو مظاہر ہمارے مشاہدہ میں آتے

رہتے ہیں ان ہی سے ایک روز جزا کے وقوع پر دلیل قائم کی ہے۔ کیونکہ قانون جزا و سزا کی اتنی نشانیاں اور دلیلیں ان کے اندر نمایاں ہیں کہ کوئی عاقل ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہ خدا کی پروردگاری اس کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کی تدبیر کی گواہی دیتی ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ وہ اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے، بلکہ اس کے انعام کی بخششیں اور اس کے عذاب کے تازیانے آئے دن ان کے لیے نمودار ہوتے ہیں۔

پس جب یہ سب کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اور ہم اپنی آنکھوں سے یہ عجائب روز دیکھ رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک دن ایسا نہ آئے جس میں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے۔

قرآن مجید میں روز قیامت کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں وہ تمام تر ایسی ہیں جو ہواؤں کے فعل سے مشابہت رکھتی ہیں مثلاً ہوائیں نشانات کو مٹا دیتی ہیں، آثار کو دبا دیتی ہیں، بادلوں کو اُڑا لے جاتی ہیں، اور جب تیز ہو جاتی ہیں تو ان کے زور سے دیواریں ڈھے جاتی ہیں، چھتیں اُڑ جاتی ہیں، عالی شان عمارتیں پارہ پارہ ہو جاتی ہیں۔

یہ ہمارے آئے دن کے مشاہدات ہیں۔ قرآن مجید نے ان کی طرف اسی مقصد سے اشارہ کیا ہے کہ جو شخص ان کو سمجھ جائے گا وہ ایک ایسے دن کے ظہور کے متعلق شبہ میں نہیں رہ سکتا جس دن ستارے چھپ جائیں گے، آسمان کھل جائیں گے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کیوں کہ ہواؤں کے عجائب و تصرفات میں ان کی نشانیاں موجود ہیں اور پوری طرح واضح ہیں۔[1]

---

[1] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو سورہ مرسلات کی ابتدائی پندرہ آیات۔